سرزمین امریکہ میں اسلام کے علم بردار

مصنف
ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط
سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل
نئی دہلی

طبع دوم-------------۲۰۱٦ء

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل

نئی دہلی

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں، موج دریا کا حریف

ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ مضمون میں نے شاید ۱۹۸۳ء میں مکہ مکرمہ میں لکھا تھا جہاں ان دنوں میں ام القریٰ یونیورسٹی میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھا۔ یہ میری ایک طرح سے پہلی تصنیفی کوشش تھی، اس لئے از راہ شوق میں نے اس کا مسودہ اپنے محسن و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں اپنے ایک عریضے کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ شاید یہ خیال اس کا محرک رہا ہو کہ حضرتؒ اس پر ایک نظر ڈال لیں گے اور اپنے مشورے سے نوازیں گے۔ یہ اب بھی یاد ہے کہ اپنے عریضے میں میں نے یہ شعر بھی لکھا تھا:

سپردم تو سرمایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

حضرت والاؒ کا جواب مجھے مکہ مکرمہ میں ملا۔ انہوں نے تحریر فرمایا تھا: ''آپ کا مضمون دلچسپ اور مفید ہے۔ آپ آئندہ بھی لکھا کریں۔'' حضرت مولاناؒ میں نیچے کے سطح کے لوگوں کی ہمت افزائی کی جو صفت تھی، وہ اس وقت میری طرف متوجہ ہوگئی۔ انہوں نے ''تعمیر حیات'' جو ندوۃ العلماء کا پندرہ روزہ رسالہ ہے کے ذمہ داروں کو خود وہ مضمون دیا اور انہیں اپنے رسالے میں اسے شامل کرنے کی ہدایت دی، جہاں وہ اپنی طوالت کی وجہ سے کئی قسطوں میں چھپا۔ حضرتؒ نے ہر قسط کا تراشہ مجھے مکہ مکرمہ میں بھجوانے کا اہتمام بھی فرمایا۔

یہ پذیرائی میری حیثیت اور امید سے زیادہ تھی اور اس کے برکات کچھ اس طرح سامنے

آئے کہ کئی رسالوں نے اسے اپنی اشاعت میں شامل کیا جن میں سب سے زیادہ وقیع اور مجھ بے استحقاق کے لئے باعث عزوشرف اس مضمون کا حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا اپنے مؤقر رسالہ ''الفرقان'' میں اشاعت کے لئے انتخاب تھا۔ حضرت نعمانیؒ نے خود مجھ غریب کو اس کی اطلاع ایک خط کے ذریعہ دی اور لکھا کہ اس وقت جب تم ''معارف الحدیث'' جلد پنجم (جو حضرت نعمانیؒ کی انتہائی معرکتہ الآراء حدیث کی کتاب ہے اور جس کا انگریزی ترجمہ میں ان دنوں کر رہا تھا) کے انگریزی ترجمہ میں مشغول ہو، لوگ تمہاری تصنیف جو مغرب میں دعوتی کوششوں سے متعلق ہے، الفرقان میں پڑھ رہے ہیں۔ یہ مجھ غریب پر حضرت نعمانیؒ کا ایک احسان عظیم تھا۔ مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ میرا ہلکا پھلکا مضمون الفرقان جیسے مؤقر رسالے میں جگہ پا سکے گا۔

بعد میں میرے علم میں یہ بات آتی رہی کہ میرے بزرگوں اور عام قارئین نے اسے شوق سے پڑھا۔ بہی خواہوں کی طرف سے یہ تقاضا بھی ہوا کہ اس سلسلہ کو مزید بڑھایا جائے۔ پھر یہ رسالہ ندوی برادران، مولانا امتیاز احمد ندوی اور مولانا افتخار احمد ندوی کے ادارے نے چھاپا جو بس ایک ہی بار چھپا۔ اس کے بعد وہ ادارہ بند ہوگیا۔ لیکن چوں کہ اس مضمون کا تعلق امریکہ کے حالات سے تھا، اس لئے اس میں لوگوں کے لئے دلچسپی کا سامان تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے اسے اپنے اپنے طور پر چھاپ لیا اور ایک عرصے تک یہ قارئین کے سامنے رہا۔ پاکستان کے صدیقی ٹرسٹ نے بھی اسے چھاپ کر اپنی ان کتابوں میں شامل کرلیا جو صالح اسلامی لٹریچر کے طور پر وہ اپنے ممبروں کو فراہم کرتے ہیں۔ امریکہ سے بھی میرے ساتھیوں نے یہ بتایا کہ یہ رسالہ وہاں کے دکانوں میں دستیاب ہے۔ لیکن ان باتوں سے ہٹ کر اس رسالہ کے چھپنے میں جو بات میرے لئے سب سے بڑھ کر باعث عزت ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی نے اس پر مقدمہ لکھا جو اس اشاعت میں شامل ہے۔ یہ ناچیز اپنے سب

بزرگوں کا احسان مند ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ کبھی کبھی احسان بلا استحقاق بھی کسی پر کیا جاتا ہے۔

اس مضمون میں بلاشبہ اثر ہے جس کی وجہ ان لوگوں کا اخلاص ہے جن کی عزیمت کی یہ کہانی ہے۔ اب جو امریکہ کے حالات سامنے ہیں کہ وہاں مساجد بھی قائم ہوگئی ہیں اور دینی مدارس بھی اور تعلیمی ادارے بھی، جہاں سے اسلامی جرائد بھی نکلتے ہیں اور جہاں اب وہیں کے شہری عالم دین کی حیثیت سے پڑھتے پڑھاتے ہیں اور دعوت وتبلیغ کے کام کو سنبھالنے کے لئے آگے آگئے ہیں۔ اب امریکہ میں جو روشنی پھیل رہی ہے، یہ اس کی ابتدائی کوشش کرنے والوں کا ذکر خیر ہے۔

میں نے اس مضمون میں ڈی کیلب کا ذکر بار بار کیا ہے۔ امریکہ کے اس شہر میں جو ایک یونیورسٹی کی بنیاد پر آباد ہے اور جہاں کل تک اسلام کو کوئی نہیں جانتا تھا، وہاں آج ایک مسجد قائم ہوگئی ہے جہاں مسلمان طلباء اور طالبات نماز ادا کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے جب مجھے یہ بات بتائی تو مجھے ۱۹۸۱ء سے پہلے کا ڈی کیلب یاد آ گیا جب میں وہاں سے اپنی تعلیم مکمل کر کے نکلا تھا۔ ان دنوں جمعہ کی نماز کے لئے بھی مسلمانوں کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی اور مسلمان وہاں کے چرچ کے ذمہ داروں کی اجازت سے چرچ میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پہلی بار جب امریکہ مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (MSA) کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے وہاں کے داعیوں کو انتہائی قوت کے ساتھ یہ مشورہ دیا تھا کہ امریکہ میں جہاں اسلام کے قدم ابھی ابھی پڑے ہیں، اسلام کی دعوت اور تعارف کو مسلکی اور جماعتی تفرقے سے ہر قیمت پر بچانا چاہیے۔ راقم حروف کے احساسات بھی یہی ہیں کہ چاہے امریکہ ہو یا ہندوستان، جب تک ہماری وفاداری خالص اسلام کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو کھول دے گا لیکن جب دعوت حق نفسانیت اور فرقہ بندی سے مغلوب

ہو جائے گی، اپنی اثر پذیری کھودے گی۔

دنیا کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ یہ بات حق ہے کہ یہ دنیا اللہ کی ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے اور وہ اس میں تصرف کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ اذن عام ہے کہ اللہ کے لئے اللہ کے دین کو اللہ کے بندوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس راہ میں اخلاص اور بہی خواہی کو اپنا زاد راہ بنایا جائے۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اللہ کی رضا کی راہ اختیار کرتے ہیں یا نفسانیت کی۔

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

نئی دہلی

۲۰۱۶ء

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

یہ کتابچہ ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن صاحب نشاط کا ایک سلسلۂ مضمون ہے جس میں انہوں نے دوران قیام امریکہ دعوتی و دینی جذبہ کے بعض مناظر پیش کئے ہیں۔ امریکہ اس وقت دنیا کے مادہ پرستانہ تمدن وزندگی کی معراج پر ہے جس میں مادی راحت ولذت، دنیاوی ترقی ورعنائی کا ہی ہر طرف دور دورہ ہے۔ وہاں مغربی تمدن اپنے عروج پر پایا جاتا ہے۔ وہاں دین کی بات کرنا اور اس کے قائم رکھنے اور اس کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنا، بڑی نیک دلی اور دینی ہمت کی بات ہے۔ اللہ تعالی کا بڑا فضل وکرم ہے کہ امریکہ کے اس کفرستانی ماحول میں ایسی سعید روحیں بھی پہنچتی رہتی ہیں، جو دینی زندگی کو اپنانے اور اس کی طرف دعوت دینے پر فکر ومحنت کا ثبوت دیتی ہیں، اور جتنا ان کے لئے ممکن ہوتا ہے اس کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسی ہی چند سعید روحیں ہیں جن کا تذکرہ اس سلسلۂ مضمون میں کیا گیا ہے۔ یہ سلسلۂ مضمون پہلے ندوہ کے پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' میں شائع ہوا اور پھر مکتبۂ عثمانیہ رائے بریلی سے کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی ہم رکابی میں مجھے بھی امریکہ دیکھنے کا موقع ملا ہے اور وہاں ان کے دوروں کی بدولت اس ملک کے مختلف حصوں میں جانا ہوا اور وہاں کچھ دن گزارنے کا موقعہ ملا۔ میں نے وہاں کی مادہ پرستانہ زندگی اور مسلمانوں میں کی جانے والی کوششوں کو ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے، لیکن ڈاکٹر نشاط صاحب کے اس سلسلۂ مضمون میں مجھے بعض نئے پہلو

پڑھنے کو ملے۔ وہ یقیناً ایسے پہلو ہیں کہ ان کو پڑھ کر دعوتی کام کرنے والوں اور دینی جذبہ رکھنے والوں کی روحوں کولذت وطاقت ملے گی اوران کی اشاعت انشاءاللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط صاحب نے امریکہ میں کئی سال گزارے۔ وہ وہاں انگریزی ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے۔اس کو حاصل کرنے کے بعدام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں اسی مضمون کے پروفیسر رہے ہیں۔ وہ امریکہ جانے سے قبل ہی سے دینی جذبہ کے مالک رہے ہیں۔سفر سے قبل انہوں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تعارف حاصل کیا تھااور اس کے بعد سے ان سے رابطہ بھی رکھا۔ان کے دوران قیام حضرت مولانا کا امریکہ کا سفر ہوااور شکاگومیں جہاں ڈاکٹر صاحب کا قیام تھا، چندروز حضرت مولانا کوٹھہرنے کا موقع ملا۔اس موقع پر نشاط صاحب برابر مولانا کے ساتھ رہے۔ مجھے چونکہ حضرت مولانا کی ہم رکابی کا شرف حاصل تھا اس لئے مجھے نشاط صاحب سے ملنے اوران کوقریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کو اچھے دینی جذبہ کا آدمی پایا۔اس سلسلۂ مضامین میں اس کی پوری جھلک ملتی ہے۔

اس سلسلۂ مضامین میں مشرقی ملکوں کے بعض طلباء وطالبات کا جو ایمانی کردار پیش کیا گیا ہےاور جس دعوتی جذبہ کی جھلکیاں پیش کی گئیں ہیں،ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خود اعتمادی کو ضائع نہ کردیا جائے تو انسان کسی بھی ماحول میں اپنے رنگ وکردار کو قائم رکھنے میں اوراپنے صالح فکروخیال کو دوسروں تک منتقل کرنے میں عاجز نہیں۔

یہ حالات تمام ان مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہیں جو ناسازگاراور مذہب سے بیزار ماحول میں اپنے کومجبور ومعذور سمجھنے لگتے ہیں۔ڈاکٹر نشاط صاحب نے ان دعوتی ودینی معلومات ومشاہدات کوقلمبند کرکےاور پھرانہیں شائع کرکے ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔

سرزمین امریکہ میں اسلام کے علم بردار

۱۹۷۲ء کے دسمبر کی آخری تاریخوں میں جب میں تعلیم کے لئے امریکہ روانہ ہو رہا تھا تو میرا دل امید اور اندیشے کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھا۔ ایک تو اس امید سے دل مسرور تھا کہ اہل زبان کے درمیان رہتے ہوئے انگریزی زبان وادب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی میری دیرینہ تمنا پوری ہونے کی صورت پیدا ہوئی تھی، تو دوسری جانب یہ احساس دل میں کانٹا بن کر کھٹک رہا تھا کہ مجھے اپنی زندگی کے چند سال اب ایک ایسے خدا فراموش ماحول میں گزارنے تھے جو مادیت کا سب سے بڑا علم بردار تھا۔ مادیت جو اس صدی میں اسلام کی سب سے منظّم دشمن طاقت بن کر خود اسلامی ممالک کے قلب میں اسلام کے فرزندوں کی خود اعتمادی مجروح کر رہی تھی، اس کے سب سے بڑے ''قمارخانہ'' میں داخل ہوتے ہوئے اگر مجھے اپنے دینی اور تہذیبی اقدار کی حفاظت کی فکر دامن گیر ہو رہی تھی تو یہ کوئی غیر فطری بات نہیں تھی۔ لیکن اس ملک میں اپنے نو سالہ قیام کے دوران جب میں نے بارہا ایسے غیور مسلمان دیکھے جن کی حمیت ایمانی کی آب وتاب مادیت کی مصنوعی چمک کے بالمقابل اور بھی نکھر گئی تھی تو اس حقیقت میں میرا یقین پختہ ہو گیا کہ جب کسی مسلمان کے دل کے سونے کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا پارس چھو لیتا ہے تو پھر اس کی نگاہوں میں وہ قیمتی ہیرا بھی ایک بے حقیقت پتھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جس پر غیر اسلام کی مہر ثبت ہو۔

یہ مضمون اسلام کے ایسے ہی جگر گوشوں سے متعلق ہے اور اس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں میں خود ان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ شاہد ہوں، اور ان واقعات کو اس نیت سے یہاں قلم بند کر رہا ہوں

کہ کوئی مسلمان جو عصر حاضر کے حالات اور مغربی تہذیب کی دل فریبیوں سے مرعوب ہو گیا ہو شاید اپنا یقین گم کردہ پھر سے حاصل کر لے اور کوئی مسلمان جو اسلام مخالف دور میں خود اسلام پر چلنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے کا جذبہ رکھتا ہو شاید اپنے عزم وشوق کے چراغ کی لو تیز تر کر لے۔

مجھے یاد ہے امریکہ کے ایک شہر میں ایک دینی عنوان سے مختلف مقامات سے مسلمان جمع ہوئے تھے جن میں بڑی تعداد امریکی نومسلموں کی تھی۔ اکثر لوگوں کا قیام مقامی مسجد میں تھا۔ سفر کی بے آرامی اور تکان کی وجہ سے میں بھی ظہر کی نماز کے بعد مسجد کے ایک گوشہ میں پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ مسجد بھری ہوئی تھی اور تقریباً سارے ہی لوگ لیٹے ہوئے تھے۔ میرے تھکے ہوئے جسم نے مسجد کے اس حصے میں بہت سکون محسوس کیا۔ لیکن میں دوسرے ہی لمحے چونک پڑا۔ کسی کی سسکیوں کی آواز میرے کان سے ٹکرائی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے مسجد کی دیوار سے ٹیک لگائے ایک نومسلم امریکی نوجوان رو پڑا تھا۔ اس کے جسم پر لمبا عربی جبہ تھا، سر پر ٹوپی تھی اور چہرے پر داڑھی۔ اس کی بے قراری دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ضبط نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ اس کی سسکی تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور چند منٹ کے بعد ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں نے اس نوجوان کی طرف دیکھا اور میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر یہ کون سا غم ہے جو اس نوجوان کو اس طرح رلاتا ہے؟ کون سا درد ہے جو اس کو اس طرح بے قرار کئے ہوئے ہے؟ کون سا نقصان ہے جس کے احساس کی شدت نے اسے اپنے گرد و پیش سے بھی بے نیاز کر دیا ہے؟

اس سے پہلے کہ میرا ذہن اس سوال کا جواب تلاش کرتا میں نے دیکھا کہ مسجد کے دوسرے گوشے سے ایک دوسرا امریکی نومسلم نوجوان اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اس نے وہ کتاب اس روتے ہوئے نوجوان کی طرف بڑھائی اور انگریزی میں کہا: ''یہ ہمارے

رسول محمد ﷺ کی احادیث ہیں۔آؤ اسے مل کر پڑھیں۔‘‘اس نوجوان نے کتاب لے لی، سنبھل کر بیٹھ گیا اور پھر کتاب کھول کر حدیث شریف کا انگریزی ترجمہ بلند آواز سے پڑھنے لگا: ’’رسول اللہ ﷺ،ان پر اللہ تعالی کی رحمت ہو، نے یہ فرمایا.....‘‘ تھوڑی دیر میں اس نوجوان کے اردگرد چند اور امریکی نومسلم سنجیدگی اور وقار کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔ وہ نوجوان انتہائی ذوق وشوق سے ایک کے بعد دوسری حدیث پڑھتا رہا۔ دھیرے دھیرے اس کی آواز صاف ہوگئی،آنکھوں کے گوشے چمک اٹھے، چہرے پر طمانیت کا اجالا پھیل گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس بے چین و بے قرار انسان کو بالآخراس کے درد کی دوا مل گئی ہو۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بھیگی آنکھوں سے حدیث پاک کی یہ عجیب وغریب محفل دیرتک دیکھتا رہا تھااور سوچتا رہا تھا کہ آج سے چودہ سوسال قبل رسول اللہ ﷺ نے کس فکرواخلاص سے دنیا کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تھی کہ آج ایک ایسا انسان جو نہ اس زبان سے واقف ہے جس میں پہلی باراس دعوت کو پیش کیا گیا تھا، نہ اس ملک سے کوئی قومی تعلق رکھتا ہے، جہاں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تھااور نہ ہی اس تہذیب سے کوئی مناسبت رکھتا ہے جس کی آغوش میں پیغمبراسلام نے پرورش پائی تھی،لیکن اس کے باوجود وہ اب اپنے سارے پچھلے رشتے توڑ کر مسجد میں آ گیا ہےاوران ایاّم پر روتا ہے جو اسلام سے اس کے تعلق کے بغیر گزر گئے۔

میرے ذہن میں جودوسری یاد ابھرتی ہے وہ بھی ایک امریکی نومسلم کی ہے۔میری نگاہ میں شکاگو کی ایک عمارت کا نقشہ پھر جاتا ہے، جسے مسلمانوں نے خرید کر مسجد کی شکل دے دی ہے۔ایک دن وہاں عشاء کی نماز کی اقامت ہورہی تھی۔ نہ جانے مکبّر کا اخلاص تھا یا کسی کے دکھے دل کا آبگینہ ہی پھوٹ پڑنے کے لئے منتظر تھا کہ جیوں ہی اقامت کی آواز بلند ہوئی پہلی صف سے کسی کی سسکی کی تیز

آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کراس آواز کی جانب نگاہ اٹھائی، رونے والے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا دل محبت کے جذبات سے بھر گیا۔ میں ان سے واقف تھا۔ میری پہلی ملاقات ان سے شکا گو ہی میں ایک مکان کے زیریں حصے (BASEMENT) میں ہوئی تھی جہاں اس علاقے کے مسلمان جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ اس وقت مجھے امریکہ آئے ہوئے صرف چند روز ہوئے تھے، ایک دن جب میں وہاں نماز کے لئے داخل ہوا تو وہاں وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ موجود تھے۔ ان کے جسم پر عربی لباس تھا اور چہرے پر گھنی داڑھی۔ میں نے انہیں کسی افریقی ملک کا باشندہ سمجھا اور سلام کے بعد انگریزی میں پوچھا، ''کیا آپ انگریزی بولتے ہیں؟'' وہ ہنس پڑے اور بولے: ''میں امریکی ہوں، اور انگریزی میری مادری زبان ہے، شاید آپ کو میرے لباس کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی، میں یہ لباس محمد ﷺ کی سنت اپنانے کے شوق میں پہنتا ہوں، اسلام قبول کرنے کے بعد اب میرا یہی لباس ہے۔''

اس ملاقات کے بعد ہم دونوں بارہا ملے اور اپنے نو سالہ قیام کے دوران مجھے انہیں بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا، میں نے انہیں ایک بڑے جنرل اسٹور کے مالک کی حیثیت سے بھی دیکھا اور پھر خدمت اسلام کے شوق میں اپنا بزنس ختم کر کے ایک انتہائی معمولی ذریعہ آمدنی پر اکتفا کرتے بھی دیکھا، میں نے انہیں ایک ہندوستانی قاری سے قرآن پاک پڑھتے بھی دیکھا اور نو مسلموں کو نماز سکھاتے بھی دیکھا، میں نے انہیں مسجد میں رات کی تاریکی میں بلک بلک کر روتے بھی دیکھا، اور دن کی روشنی میں دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل بھی دیکھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا اور چشم عبرت سے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دئے کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر رہا ہے۔ اس لئے جب اس دن میں نے انہیں نماز کے وقت روتے دیکھا تو مجھے ان کے دل کی کیفیت سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ تکبیر کے الفاظ نے جس میں خدائے واحد کی ربوبیت اور عظمت کی پکار تھی، اس مخلص مسلمان کے دل کی گہرائیوں

میں پوشیدہ کسی جذبے کو بے قابو کر دیا تھا۔صف سیدھی کی جارہی تھی کہ میرے بازو میں کھڑے میرے ایک دوست نے میرے کان میں سرگوشی کی: ’’کیا آپ جانتے ہیں کہ حال ہی میں ان کے ہاتھ پر ایک ہی دن میں ۳۳لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے؟‘‘ میرے دل میں تعظیم و تحسین کے جذبات موجزن ہو گئے، میرے لئے یہ اطلاع نئی تھی۔ نماز کے بعد لوگوں کی درخواست پر انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا۔انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ویسٹ انڈیز (WEST INDIES) کا ایک دعوتی سفر کیا اور ایک دن وہاں کے مسلمانوں سے خطاب کیا۔اس مجلس میں تین عیسائی نوجوان بھی موجود تھے۔اسلام کا پیغام سنجیدگی اور وقار کے ساتھ شاید پہلی بار ان کے سامنے پیش ہوا تھا۔تقریر ختم ہوتے ہی انہوں نے مزید معلومات کے لئے کچھ وقت لیا،سوالات پوچھ کر اپنی تشفی کی اور پھر روح کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ اب ان کی کیا ذمہ داری ہے؟ ان کا جواب تھا: ’’اب آپ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں، جیسے میں نے یہ پیغام آپ تک پہنچایا۔اسلام قبول کرنے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا،تو آپ ﷺ نےیہی جواب دیا تھا‘‘ نہ جانے وہ قبولیت کی کیسی گھڑی تھی۔ وہ نومسلم اٹھ کر چلے گئے اور چند گھنٹوں کے بعد جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ تیس (۳۰) غیر مسلم تھے۔ان سب کو دعوت دی گئی اور سب نے اسی مجلس میں اسلام قبول کرلیا۔ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کفر کا ایک جادو تھا جو دعوت حق کی آواز بلند ہوتے ہی معدوم ہوگیا۔ مادیت کی ایک سجی دوکان تھی جو لا الہ الا اللہ کی صدا لگتے ہی اجڑ گئی اور اس کے خریداروں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر اپنا نصیب بلند کرلیا ۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الاّاللہ

شکاگو سے تقریباً ستّر میل کی دوری پر ڈی کیلب نامی ایک مقام ہے جو ایک مشہور یونیورسٹی (NORTHERN ILLINOIS UNIVERSITY) کی نسبت سے خاصا معروف ہے۔ یونیورسٹی خاصی بڑی ہے۔اس کی مرکزی لائبریری، کیمپس کے تقریباً وسط میں ایک خوشنما مقام پر ہے۔ لائبریری کی عمارت بہت ہی خوبصورت ہے۔اس کی چاروں جانب کی دیواریں شیشے کی بنی ہوئی ہیں جن سے باہر کے مناظر بہت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ایک دن میں لائبریری کی تیسری منزل پر ایک نسبتاً خاموش گوشے میں کھڑا سورج غروب ہوتے دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ سورج غروب ہوتے ہی مسلمان لڑکے اور لڑکیاں اس جگہ جمع ہوں گے اور باجماعت مغرب کی نماز ادا کریں گے۔لائبریری کا یہ حصہ مائکروفلم (MICRO FILM) کے لئے تھا اور اس طرف لوگ نسبتاً کم آتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں اس حصے کو نماز کے لئے استعمال کرنے لگے تھے، حالانکہ اس کی کوئی باقاعدہ اجازت حاصل نہ تھی بلکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ ذمہ داروں کو اعتراض ہوگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دس پندرہ لڑکے لڑکیاں وہاں جمع ہوگئے۔ان میں مختلف ملکوں کے طالب علم تھے۔ایک گوشے میں آہستگی کے ساتھ اذان دی گئی۔لڑکیوں کی صف لڑکوں کی صف سے قدرے دوری پر تیار ہوئی اور باجماعت نماز پڑھی گئی۔دس پندرہ کی تعداد بڑی نہیں تھی لیکن ایسے ملک میں جہاں لائبریری میں کسی عبادت کا کوئی تصور نہیں، چہ جائیکہ نماز جیسی نامانوس عبادت، اس طرح مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا جرأت مندانہ نماز پڑھنا زبان حال سے کہہ رہا تھا:

> ہم اسلام کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور اسلام کے احکام پر چلنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ ہم نے اپنے وطن ہندو پاک میں، مصر و سعودی عرب میں، ملیشیا اور انڈونیشیا میں، بنگلہ دیش اور ایران میں نمازیں پڑھیں اور ہم امریکہ کے اس ماحول میں بھی اپنے رب کے سامنے سربسجود ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔امریکہ کی تہذیب کی تیز چمک نے

ہماری آنکھوں سے ہمارے پاکیزہ خواب نہیں چھینے۔ ہم یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں، لیکن ہارے ہوئے اور فریب خوردہ ذہنوں کی طرح ہم نے اپنے افکار و اقدار کا سودا نہیں کیا۔ ہم جو مغرب میں آکر بھی اسلام کی دولت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اے مادیت کے پرستارو! کیا ہمارا یہ عمل تمہیں دعوت نہیں دیتا کہ تم اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوچو اور اپنے آپ سے پوچھو کہ تمہیں اپنے اندھیرے پسند ہیں یا اسلام کا نور؟

ڈی کیلب کا نام آتا ہے تو میرے ذہن میں کئی خوش گوار یادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ میں نے اپنی آخری ڈگری وہیں کی یونیورسٹی سے حاصل کی اور اس نسبت سے وہاں برسوں میرا قیام رہا۔ ڈی کیلب کھلے میدانوں اور فارموں کے درمیان بسا ہوا چھوٹا سا ایک خوب صورت شہر ہے۔ ۴۰۔۴۵ ہزار کی اس آبادی میں تقریباً تیس ہزار افراد یونیورسٹی سے متعلق ہیں اور باقی ۱۰۔۱۵ ہزار مقامی افراد ہیں۔ چونکہ ڈی کیلب کی آبادی کا بڑا حصہ یونیورسٹی کی وجہ سے نوجوان طالب علموں کا تھا اس لئے اس شہر کا ماحول اسی آزادانہ طرز زندگی اور بے باکانہ بے راہ روی کا حامل تھا جو امریکی نوجوان طبقے کی خصوصیت ہے۔ لیکن اس آزادانہ ماحول میں جہاں مادیت اور دنیاوی لذات کا ہوش ربا جمال، طلسماتی رعنائی اور دلفریب خود سپردگی انسان کو بے خود اور مسحور کئے دیتی تھی، وہیں اسی ماحول کے قلب میں اسلام کے ایسے وفادار جگر گوشے بھی تعلیم حاصل کر رہے تھے جن کے دل اسلام کی محبت سے معمور اور جن کی آنکھیں یقین محکم سے روشن تھیں۔ ان مسلمان لڑکے اور لڑکیوں نے جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے اپنے آپ کو متحد کرنے کے لئے ایک اسلامی سوسائٹی (ISLAMIC SOCIETY OF NORTHERN ILLINOIS UNIVERSITY) کی بنیاد ڈالی تھی اور ایک چھوٹی سی

عمارت کرائے پر لے کر، اپنے مرکز کے طور پر ایک مسلم ہاؤس قائم کر لیا تھا۔اس کے ہال میں نماز کا انتظام تھا،دائیں جانب شیلف پر دینی کتابیں سجی تھیں،اور دوسرے گوشے میں ایک بڑا فریزر (FREEZER) رکھا ہوا تھا جس میں ذبیحہ گوشت رکھنے کا انتظام تھا تا کہ وہاں کے مسلمان غیر ذبیحہ گوشت سے پرہیز کر سکیں۔

اس مسلم ہاؤس کی فضا بھی عجیب پرنور تھی۔ وہاں پانچوں وقت اذان پکاری جاتی اور جماعت سے نماز ہوتی، جو لڑکے کلاس سے فارغ ہوتے، جماعت سے نماز ادا کرنے کے شوق میں مسلم ہاؤس آتے۔ دن میں کلاس کی وجہ سے سب لڑکے جماعت میں شریک نہیں ہو پاتے لیکن مغرب وعشاء میں بڑی بہار ہوتی۔خصوصاً عشاء کی نماز میں ۲۰۔۲۵ لڑکے جمع ہو جاتے جو امریکہ کی مشغول زندگی کے پیش نظر ایک اچھی خاصی تعداد کہی جا سکتی تھی۔ اذان دینے میں لوگ ذوق وشوق سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ ملیشیا کے بعض لڑکے جب خوش الحانی سے اذان پکارتے تو سننے والوں کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا۔نماز کے بعد ایک دو حدیث شریف پڑھی جاتی اور دعا ہوتی۔ جمعہ کے روز (چونکہ سنیچر اوراتوار فرصت کے دن ہوتے تھے) مسلم ہاؤس کی رونق اور بڑھ جاتی۔عشاء کی نماز کے بعد اکثر مسلم ہاؤس میں رہنے والے لڑکے نمازیوں کے سامنے پھل اور چائے لا کر رکھ دیتے۔کبھی کبھی مسلمان لڑکیاں جو اسلامی سوسائٹی اور مسلم ہاؤس سے وابستہ تھیں اور ایک علیحدہ مکان میں رہتی تھیں، اپنے نمازی بھائیوں کے لئے خشک ناشتہ بنا کر بھیج دیتیں۔لڑکے ٹولیوں میں بیٹھ جاتے اور اس سے شغل کرتے۔ان میں آٹھ دس لڑکے ایسے تھے جو جلد چائے سے فراغت پا کر ہال کے ایک گوشہ میں حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور ہر ہفتہ ایک حدیث عربی متن اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ یاد کرتے اور پہلے یاد کی ہوئی احادیث ایک دوسرے کو سناتے۔ان کا عزم چالیس احادیث کے یاد کرنے کا تھا تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ان وعدوں کے مستحق ہوسکیں جو چالیس احادیث کی حفاظت پر ہیں۔

رمضان المبارک میں مسلم ہاؤس کی یہ محفل بہت نکھر جاتی۔لوگ مسلم ہاؤس زیادہ آتے اور وہاں زیادہ وقت گزارتے ،نماز و تلاوت کا زیادہ اہتمام کرتے اور ایک دوسرے سے زیادہ قربت محسوس کرتے۔عمومی دعوت کا سلسلہ تقریبا پورے مہینہ چلتا۔کبھی ایک شخص تنہا اور کبھی اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ مل کر مسلم ہاؤس آنے والے سارے مسلمانوں کی دعوت کرتا۔کھانا لڑکے مل کر مسلم ہاؤس میں پکاتے ،پھر سب نشاط و بشاشت کے ماحول میں افطار کرتے ،نماز مغرب ادا کرتے ،کھانا کھاتے اور عشاء اور تراویح کی تیاریوں میں لگ جاتے۔ جمعہ کی نماز میں چونکہ زیادہ لوگ ہوتے اس لئے اس کا انتظام ایک مقامی چرچ کے ہال میں کیا جاتا۔ چرچ کا مرکزی ہال لوگ دو گھنٹے کے لئے عاریتاً لے لیتے۔وقت ہونے پر اذان دی جاتی، پھر خطبہ ہوتا اور نماز ادا کی جاتی اور دیکھنے والی نگاہیں یہ نظارہ دیکھتیں کہ جو گھر خالصتاً کفر کے نام پر تعمیر کیا گیا تھا اس کے اندر اللہ کے یہ بندے خدائے واحد کی ربوبیت کی آواز بلند کرتے اور اس کے درودیوار کو اپنے رکوع و سجود سے منور کرتے۔

سنیچر کے دن لڑکے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں بٹ کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اسلام کا مطالعہ کرتے۔
اتوار کی صبح کو مسلم ہاؤس کا ہال ڈی کیلب کے مسلم بچوں اور بچیوں کے لئے خالی کر دیا جاتا۔صبح ساڑھے سات بجے چند مسلمان لڑکے اپنی گاڑیاں لے کر نکل جاتے اور مختلف مسلم خاندانوں سے بچوں کو لا کر مسلم ہاؤس پہنچا دیتے۔وہاں تقریباً ۸ بجے سے مسلمان لڑکیاں پڑھانے کی ذمہ داری سنبھال لیتیں۔بچوں اور بچیوں کو تعلیمی ضرورت، عمر اور زبان کے لحاظ سے مختلف گروپ میں تقسیم کر دیا جاتا اور اس طرح وہاں ایک دینی مدرسہ قائم ہو جاتا۔ پڑھانے والی لڑکیاں محبت اور اخلاص سے پڑھاتیں اور بچے شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ،اور اکثر ایسا ہوتا کہ اسلام سے اپنے رشتے کا احساس اور اس پر افتخار کا جذبہ جوان بچوں کو ان کے والدین کبھی غایت مشغولیت کی وجہ سے اور کبھی امریکی تہذیب سے مرعوبیت کی باعث نہ دے پاتے، یہ بے لوث لڑکیاں انہیں عطا کرتیں۔

مہینے دو مہینے میں مسلم ہاؤس میں ایک عمومی دینی نشست ہوتی جسے وہ ''اُسرہ'' کہتے۔ پھر تین چار مہینے میں باہر سے کسی دینی مزاج وعلم رکھنے والے شخص کو ڈی کیلب مدعو کیا جاتا اور ان کی تقریر کا اہتمام کیا جاتا۔ اور پھر ایسا بھی ہوتا کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام میں دل چسپی لیتا تو اس سے ملاقاتیں کی جاتیں اور اسلام کی دعوت دی جاتی۔ کبھی کسی چرچ، کالج یا سوسائٹی کی دعوت پر اسلامی سوسائٹی کے لوگ وہاں جاتے اور اپنے علم و بساط بھر تیاری کر کے ان کے سامنے اسلام پیش کرتے۔ سامعین ان کے اخلاص و فکر سے متاثر ہوتے اور اسلام کا نام و پیغام ان کے کان میں پڑ جاتا۔

لڑکیوں کا اپنا علیحدہ حلقہ تھا۔ پندرہ بیس لڑکیاں وہاں ایسی ضرور ہوں گی جو اسلامی لباس پہنتی تھیں۔ چہرہ اور ہاتھ کے علاوہ ان کا پورا جسم ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا ہوتا تھا۔ اسی لباس میں وہ کلاس جاتیں، لائبریری جاتیں، اور اپنی دوسری ضرورتیں پوری کرتیں۔ ان کا علیحدہ ہفتہ وارانہ ''اُسرہ'' ہوتا جس میں وہ چھوٹے چھوٹے گروپ میں منقسم ہو کر کسی کتاب کی مدد سے اسلام کا مطالعہ کرتیں۔ جب باہر سے کوئی نئی لڑکی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ڈی کیلب آتی یا کوئی نئی فیملی وہاں کسی دوسری جگہ سے منتقل ہوتی، یا کوئی مسلمان لڑکا کسی امریکی لڑکی سے شادی کر لیتا تو اسلامی سوسائٹی کی لڑکیاں انہیں قریب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں تا کہ وہ امریکہ کی مسموم فضا سے محفوظ رہ سکیں۔ وہ اپنے اخراجات کاٹ کر مسلم ہاؤس کی مالی امداد کرتیں۔ وہ ایک مختصر لیکن خوبصورت اسلامی میگزین ''الرسالۃ'' نکالتیں، اور اگر یونیورسٹی کے اخبار ناردرن اسٹار (NORTHERN STAR) میں کبھی اسلام کے خلاف کوئی بات چھپتی تو اس کے دفاع میں وہ ایڈیٹر کے نام خطوط (LETTERS TO THE EDITOR) کے کالم میں پوری قوت سے اظہار خیال کرتیں اور اسلام کی صحیح ترجمانی کرتیں۔ وہ امریکہ کے جیل میں مقید قیدیوں کے حالات سے بھی باخبر رہتیں، جو جیل میں ہی کبھی کوئی کتاب پڑھ کر اور اکثر کسی مسلمان کی دعوت پر اسلام سے روشناس ہوتے، کلمہ شہادت پڑھتے اور قید کی مدت پوری

ہونے تک جیل میں ہی اسلام کی باتیں سیکھتے، ان پر عمل کرتے اور غیر مسلم قیدیوں کو اسلام کی طرف متوجہ کرتے۔ مسلم ہاؤس سے متعلق یہ لڑکیاں کبھی کبھی ایک گھر میں جمع ہوکر ان مسلمان قیدیوں کے لئے ناشتہ تیار کرتیں اور اس کے ساتھ ان کے لئے کپڑے، پیسے اور خط وکتابت کی سہولت کے لئے ڈاک ٹکٹ بھیجتیں۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ چند بہنیں ہوں جو دور بسے اپنے عزیز بھائیوں کے لئے خلوص ومحبت بھری سوغات بھیج رہی ہوں، حالانکہ وہ اپنے بھائیوں کے نام تک سے واقف نہیں ہوتی تھیں۔ان کے درمیان جو رشتہ تھا بس اللہ کے نام کا۔

ڈی کیلب میں اس مسلم ہاؤس کی حیثیت بس کچھ ایسی تھی جیسے کفر و مادیت کی گہری تاریکی میں ایک روشن منارہ سر بلند کئے سکون وسلامتی کی دعوت دے رہا ہو۔ایک دن جب شاید عشاء کی نماز ہوچکی تھی ایک غیر مسلم مسلم ہاؤس میں آیا اور دیر تک وہاں موجود مسلمان لڑکوں سے اسلام پر گفتگو کرتا رہا۔ جاتے وقت اس نے کہا: ’’میرے بعض دوستوں نے جو تمہیں پسند نہیں کرتے، مجھ سے تم لوگوں کا تذکرہ کیا تھا۔انہوں نے کہا تھا کہ تم لوگ بہت قدامت پسند ہو، کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، ملنے جلنے اور تفریحات میں مذہبی بندشوں کے قائل ہو اور اپنے ان ہم وطن مسلمانوں سے بھی زیادہ میل جول نہیں رکھتے جو آزاد پسند ہیں۔ ملنے سے پہلے میرے ذہن میں تمہارا ایک منفی نقشہ تھا لیکن اب میں تمہارے لئے اپنے دل میں محبت واحترام کا جذبہ محسوس کرتا ہوں ۔تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ تمہارا ایک مذہب ہے جس سے تم پوری طرح مطمئن ہو۔ میں عیسائی تھا لیکن اب میں اپنے مذہب میں یقین کھو چکا ہوں۔ میں نے چند دن پہلے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے لیکن مجھے وہاں بھی سہارا نہیں ملا‘‘۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر بولا۔’’مجھے یہاں نماز کے ہال میں بیٹھ کر ایک عجیب وغریب سکون کا احساس ہوتا ہے۔‘‘

ڈی کیلب کا نام آتا ہے تو ذہن کے گوشوں سے ایک ایسی باوقار مسلمان لڑکی کا تصور سر ابھارتا ہے، جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا لیکن پھر بھی جس کا خیال میرے دل میں فخر و تعظیم کے جذبات جگاتا ہے۔ایک دن میرے ایک عرب اور ایک مصری دوست ایک نومسلم امریکی طالب علم سے ملنے اس کے ہوسٹل (hostel) گئے۔ وہاں اس کا ایک امریکی دوست بھی بیٹھا ہوا تھا۔تعارف ہوتے ہی اس نے خوش ہوکر پوچھا، ''کیا تم لوگ مسلمان ہو؟'' اثبات میں جواب پا کر اس نے اسلام میں اپنی دلچسپی ظاہر کی اور بس تھوڑی ہی دیر میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ یہ بات میرے دوستوں کے لئے بھی تعجب کی تھی کہ اس شخص نے اپنی زندگی کے بارے میں اتنا اہم اور سنجیدہ فیصلہ اتنی آسانی سے کیسے کرلیا اور انہوں نے اپنے استعجاب کا اظہار اس شخص سے بھی کیا۔اس شخص کا جواب تھا: ''گرچہ اسلام کا نام میں نے سب سے پہلے میل کم اکس (MALCOLM X) کے حوالہ سے سنا تھا لیکن اس کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت مجھے ملیشیا کی ایک مسلمان لڑکی کی شخصیت سے ملا۔ وہ لڑکی اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہی تھی۔ جب میں نے اسے پہلی بار یونیورسٹی میں دیکھا تو میری پوری توجہ اس کے لباس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس کا لباس امریکی اور دوسری مغربی لڑکیوں کے عام لباس سے بہت مختلف تھا۔اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا جس سے ہاتھ اور چہرہ کے علاوہ اس کا پورا جسم چھپا ہوا تھا۔ میرے لئے یہ بات تعجب کی تھی، اس لئے کہ امریکہ میں نوجوان لڑکیوں کے لئے جسم کا زیادہ سے زیادہ کھلا رکھنا جدید فیشن ہے۔ یہ کون لڑکی تھی جو اس طرح ماحول کے خلاف تنہا کھڑی تھی؟

میرا تجسس بڑھا اور میں نے اس لڑکی کے پاس جا کر اس سے اس کے لباس کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب دیا۔''میں مسلمان ہوں اور میں نے اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ لباس پہن رکھا ہے۔ میرا مذہب عورتوں اور مردوں کو مناسب لباس پہننے کا حکم دیتا ہے۔ میں اس پر عمل کرتی ہوں، اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ اس میں سلامتی ہے۔'' میں نے سوال کیا: ''کیا تم مسلمانوں میں کوئی

مذہبی عہدہ رکھتی ہو، جیسے ہم عیسائیوں میں نن (NUN) ہوتی ہیں؟'' ''نہیں''۔ اس لڑکی کا جواب تھا۔ ''میں یہ لباس کسی عہدہ کی مجبوری کی وجہ سے نہیں پہنتی بلکہ اس لئے پہنتی ہوں کہ مجھے اسلام اور اس کے اصولوں سے محبت ہے۔ میں ایک عام لڑکی ہوں، تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں وطن واپس جا کر ایک گھریلو زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ میں ساری زندگی اسلام کے اصولوں کو اپنا رہنما بناؤں اور اس دنیا سے جاتے وقت آئندہ نسل کو ان اصولوں میں یقین کی دولت قولاً اور عملاً سونپ جاؤں۔''

میری نگاہوں میں تحسین کے جذبات دیکھ کر اس لڑکی نے اپنے کتابوں کا بیگ کھولا اور اسلام پر ایک تعارفی کتابچہ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا: ''جیسے تمہیں یہ بات پسند آئی، تمہیں اسلام کے دوسرے اصول بھی پسند آئیں گے۔ خدا تمہارا مددگار رہو!''

اس امریکی نوجوان نے میرے دوستوں سے کہا:

اس مسلمان لڑکی نے میرے دل پر احترام کے بہت گہرے نقوش چھوڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ جس مذہب نے ایک کمزور سی لڑکی کو، جو اپنے ماحول سے ہزاروں میل دور غیروں کے درمیان تھی، یہ جرأت اور یقین عطا کیا وہ یقیناً ایک سچا مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لئے میں نے تم سے کوئی ثبوت طلب نہیں کیا، تم سے سوالات نہیں کیئے، بحث نہیں کی۔

سردیوں کی ایک شام کو ڈی کیلب میں یونیورسٹی کے ایک کشادہ اور خوبصورت ہال میں لوگ جمع تھے۔ یونیورسٹی کی اسلامی سوسائٹی نے مسلم اور غیر مسلم سامعین کے لئے اسلام پر لکچر کا انتظام کیا تھا اور اس مقصد سے باہر سے دو مقرروں کو مدعو کیا تھا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کے وقفے میں ایک مسلمان

طالب علم جو پولیٹکل سائنس میں پی، ایچ، ڈی کر رہا تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے سوال پوچھنے کے لئے وقت لیا۔ اس کا سوال اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام سے متعلق تھا۔ وہ سیکولر نظام کے مساویانہ سلوک کا قائل اور اسلامی نظام میں اس کی کمی کا شاکی تھا۔ ''ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلامی معاشرہ میں عورت کو دوسرے درجہ کی شہری سے زیادہ کی حیثیت حاصل نہیں۔'' مقرر نے اس کا معقول و مدلل جواب دیا۔ ''اگر عورت کو اسلام میں دوسرے درجے کا شہری کہا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے درجے کا حامل کون ہے؟ کیا مرد؟ حقائق اس سے انکار کرتے ہیں، اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ مرد و عورت کی فطرت میں چند بنیادی فرق ہیں اس لئے بعض مخصوص باتوں میں وہ دونوں فریقوں پر جدا جدا ایسی ذمہ داریاں ڈالتا ہے جوان کی طبعی و فطری مزاج سے میل کھاتی ہوں۔ اس کے علاوہ مرد و عورت اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں۔ اگر عورت کو اپنے جسم کو مناسب طریقے سے چھپانے کا حکم ہے تو یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے، اگر عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے اختلاط منع ہے تو مردوں کے لئے بھی یہ حکم ہے، اگر مرد اپنی پسند سے شادی کرسکتا ہے تو عورت بھی ایسا کرسکتی ہے، اگر مرد اپنے شریک حیات سے کسی مجبوری و ناپسندیدگی کے باعث علحدگی اختیار کرسکتا ہے تو عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے، اگر مرد نیکی اور اخلاص کے باعث اللہ تعالی سے بہت قریب جاسکتا ہے تو عورت کے لئے بھی کوئی حد مقرر نہیں......''

مقرر کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی، ادھر سوال پوچھنے والا بھی اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کا سوال اب بھی باقی تھا۔ شاید وہ اپنا سوال کسی دوسرے پہلو سے اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن میری توجہ ملیشیا کی ایک طالب علم لڑکی کی طرف مبذول ہوگئی تھی جو سوال کرنے کی اجازت لینے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی اور بہت بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ مقرر کا جواب ختم ہوتے ہی میں نے موڈریٹر (MODERATOR) کی حیثیت سے اسے اجازت دی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی، ایک

نگاہ سوال پوچھنے والے پر ڈالی اور پھر سامعین سے یوں مخاطب ہوئی:

میں نے یہ وقت سوال پوچھنے کے لئے نہیں، اس سوال کا جواب دینے کے لئے لیا ہے جو اسلام میں عورت کے مقام کے سلسلے میں پوچھا گیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں، اور مغربی تہذیب نے عورت کے دامن میں پھول کے نام پر جو کانٹے ڈالے ہیں، ان کی چبھن سے میں مردوں سے زیادہ واقف ہوں۔ آپ آج مجھے اسلامی لباس میں دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ چند سال قبل تک میں مکمل طور پر مغربی تہذیب کے مطابق زندگی گزار رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں تنہا اپنے ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ آئی تھی۔ ان دنوں مجھے اصرار تھا کہ میں وہ سب کچھ کر سکتی ہوں جو ایک مرد کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں ہر معاملہ میں مرد کی ہمسری کا جذبہ دل میں چھپائے اس طرح زندگی گزار رہی تھی کہ جیسے وہ سب کچھ کر سکنا، جو مرد کر سکتے ہیں عورت کے لئے کامیابی کی میزان ہو۔ میں ایک عورت تھی لیکن مغربی تہذیب کے زیر اثر میں ایک مرد کی طرح زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ میں جو تھی وہ نہیں رہنا چاہتی تھی اور جو نہیں تھی، وہ بن جانے کے لئے ساری کوشش صرف کرتی تھی۔ نتیجتاً میری زندگی میں ایک زبردست انتشار تھا۔ امریکہ آکر میں اپنی چند مسلمان بہنوں کی کوشش سے اسلام سے قریب ہوئی اور تب میں نے محسوس کیا کہ اسلام سے دور رہ کر میں نے اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم کیا تھا۔ اسلام نے عورت کی حیثیت سے میرے مقام کو تسلیم کیا اور میرے لئے ایک متوازن، خوشگوار، باعزت اور بامقصد طرز حیات کی نشان دہی کی۔ آج میری زندگی سکون واطمینان سے بھرپور ہے۔ میں نے حال ہی میں اپنے ایک ہم وطن مسلم نوجوان سے شادی کر لی ہے۔ میں گھر کے لئے ذمہ دار ہوں اور اپنی تعلیم اچھے طریقے سے پوری

کررہی ہوں۔اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ دینی پروگرام میں حصہ لیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک باراس شہر کے مسلم بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم دیتی ہوں۔آج میرے سامنے ایک مقصد ہے۔اب میں ایک باوقار مسلمان عورت ہوں اور مغربی عورت کی طرح کسی احساس کمتری کا شکار نہیں۔

اس مقام پراس لڑکی کی آواز بھرا گئی اوراس نے جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: ''اگر کسی شخص کو یہ شکایت ہے کہ اسلام نے عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو وہ مجھ سے براہ راست سوال کرے، میں اس کا جواب دوں گی۔''

میری نگاہیں سامعین کی طرف اٹھ گئیں۔پورے ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔سوال پوچھنے والا اپنی جگہ پر نہ جانے کب بیٹھ گیا تھا۔ملیشیا کی آٹھ دس لڑکیوں نے، جو اسلامی لباس زیب تن کئے ہوئے تھیں،شکر گزاری کی نگاہوں سے اس لڑکی کی جانب دیکھا جیسے وہ سب کہہ رہی ہوں۔''شکریہ، بہت بہت شکریہ!تم نے ہم سب کے جذبات کی ترجمانی کی۔'' لیکن میری نگاہیں اس امریکی نوجوان خاتون کی طرف متوجہ تھیں،جس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا اور ایک مسلمان سے شادی کی تھی۔جب ملیشیا کی وہ لڑکی کھڑی ہوکر اسلام سے اپنی وابستگی کا اظہار کررہی تھی، وہ امریکی لڑکی مڑکر ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں تعجب،مسرت،محبت اور جوش کے ملے جلے جذبات موجزن تھے اور وہ زبان حال سے کہہ رہی تھی:

> میں نے امریکہ میں آنکھیں کھولیں اوراس کے اس آزادانہ ماحول میں پرورش پائی ہے جو عورت کو مرد کی طرح مساویانہ مقام دینے کا دعویدار ہے،مگر میں نے آج تک تمہاری طرح اپنے عورت ہونے میں فخر محسوس نہیں کیا۔بلند ہے وہ مذہب جس نے تمہاری آنکھوں کو یقین کا یہ نور عطا کیا اور فخر ہے مجھے اب اس بات پر کہ میں ایک مسلمان لڑکی ہوں۔

ان چمکتے ہوئے ستاروں کے درمیان ایک سات سالہ مصری نونہال بھی ہے، جوڈی کیلب مڈل اسکول کا طالب علم تھا اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ اکثر مسلم ہاؤس آیا کرتا تھا۔ وہ نماز کا پابند تھا اور اسکول میں بھی نماز پڑھنے کا اہتمام کرتا تھا۔ ایک دن جب وہ اسکول کے حمام (WASH ROOM) میں وضو کر رہا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ چند امریکی لڑکے اسے تعجب سے جسم کے مختلف حصے دھوتے اور سر پر پانی بھرا ہاتھ پھیرتے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے ازراہ تمسخر کہا:

''کیا تم چھوٹا غسل (MINIBATH) کر رہے ہو؟''

اس مصری لڑکے نے وضو ختم کرتے ہوئے کہا:

''میرے ذاتی معاملات میں دوسری بار دخل اندازی کا جواب میرا گھونسہ ہوگا''۔ اور پرنسپل کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اجازت لے کر داخل ہونے کے بعد اس نے پرنسپل کو سلیقے سے سلام کیا اور اس کے بعد کہا:

''جناب مجھے اپنی مذہبی عبادت کے لئے روز اس وقت چند منٹ کے لئے ایک پرسکون جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا میں آپ کے آفس کا ایک گوشہ اس کے لئے استعمال کرسکتا ہوں؟''

یہ سوال پرنسپل کے لئے نیا تھا۔ اس نے دل چسپی سے اس لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''تم اسکول ختم ہونے کے بعد چرچ جا کر عبادت کیوں نہیں کرتے؟''

اس لڑکے نے جواب دیا:

''اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا مذہب مجھے خاص اوقات میں عبادت کا حکم دیتا ہے۔ چونکہ ان میں سے ایک وقت میں میں یہاں اسکول میں ہوتا ہوں اس لئے مجھے یہاں جگہ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

پرنسپل نے اس لڑکے کا شانہ توصیفی انداز میں تھپتھپایا اور کہا:

’’میرے ساتھ آؤ‘‘

وہ اسے ساتھ کے ایک کمرے میں لے گیا اور بولا:

’’تمہیں جب بھی عبادت کرنی ہو، تم یہاں آجایا کرو۔ میں چوکیدار کو بھی ہدایات دے دوں گا۔‘‘

اس لڑکے نے پرنسپل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

’’میری ایک درخواست اور ہے۔ میری کلاس کے لڑکے کیمپنگ (camping) کے لئے جارہے ہیں، جن میں میں بھی شامل ہوں۔ براہ کرم میرے کلاس ٹیچر کو بھی ہدایات دے دی جائیں کہ وہاں مجھے نماز کے لئے جگہ دی جائے اور میرے کھانے میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جسے اسلام حرام قرار دیتا ہے۔ میں کل ایسی چیزوں کی لسٹ پیش کردوں گا۔‘‘

پرنسپل نے اس لڑکے کی طرف غور سے دیکھا۔ اس لڑکے کی نگاہوں میں مرعوبیت کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ پرنسپل کے بلند وبالا قدوقامت کے مقابلے میں اس ننھے مسلمان کی شخصیت بہت چھوٹی اور کمزور معلوم ہورہی تھی، لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اس وقت وہ رشتہ استاد وشاگرد کی حیثیت سے ہٹ کر مادیت واسلام کا رشتہ بن گیا ہو اور وہ ننھا سا بچہ کہہ رہا ہو:

’’میں آپ سے دنیاوی علوم سیکھنے آیا ہوں جناب! لیکن زندگی گزارنے کے اصول تو میں نے محمد ﷺ سے سیکھے ہیں۔‘‘

’’ضرور۔‘‘ پرنسپل کا جواب تھا۔ ’’ساری چیزیں تمہارے مذہبی اصول کے مطابق کردی جائیں گی۔ خدا حافظ!‘‘

امریکہ میں اسلامی اصول کے مطابق زندگی گزارنے والوں اور اس پر فخر کرنے والوں کی تعداد اتنی حقیر نہیں کہ یہ چند صفحات ان کے متحمل ہوسکیں۔ وہ اگر بہت زیادہ نہیں تو بہت تھوڑے بھی نہیں، وہ

مختلف ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان سب کے دل ایک ہی عزم سے روشن ہیں۔ ان میں وہ ''امریکی نومسلم'' بھی ہے جو ایک ''عرب مسلمان'' کو دعوت عمل دے رہا تھا۔ اس نومسلم نے عربی لباس پہن رکھا تھا، اور عربی زبان میں گفتگو کر رہا تھا جب کہ اس کا مخاطب مسلمان عرب انگریزی لباس میں ملبوس تھا اور انگریزی میں جواب دے رہا تھا۔ ان میں ۲۳۔۲۴ برس کا وہ عرب نوجوان بھی ہے جو فخر کے ساتھ عربی لباس میں کلاس جایا کرتا تھا اور مشکل سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے اسے بات کرنے کا موقع ملا ہو اور اس نے اسے اسلام کی دعوت نہ دی ہو، جس کے نتیجہ کے طور پر دس پندرہ غیر مسلم اس وقت تک اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان میں وہ ہندوستانی نوجوان بھی ہے جس نے ایک اچھی نوکری چھوڑ کر، ایک اوسط درجے کے بزنس پر اس لئے اکتفا کر لیا کہ اس کے خیال میں امریکہ میں دین کے تقاضے اس سے جتنا وقت چاہتے تھے، نوکری کی مجبوری کی وجہ سے وہ اتنا وقت نہیں دے پاتا تھا۔ ان میں وہ ہندوستانی عمر رسیدہ شخص بھی ہیں جنہوں نے ضعیفی میں گھر پر آرام کرنے کے بجائے دعوت اسلام کی نسبت سے امریکہ اور کناڈا کی طنابیں کھینچ کر رکھ دیں۔ ان میں وہ پاکستانی عالم بھی ہیں جنہوں نے گزارے کے لئے ایک انتہائی معمولی نوکری کی اور اپنا سارا وقت نومسلموں کو قرآن پاک پڑھانے اور دین کی ضروری باتیں سکھانے کے لئے وقف کر دیا۔ ان میں مختلف ممالک کی وہ خواتین بھی ہیں جنہوں نے موقعہ اور سہولت کے باوجود باہر جاکر نوکری کرنے کے بجائے گھر میں رہ کر اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک محاذ قائم کیا۔ ان میں ملیشیا کا وہ نوجوان بھی ہے جو امریکہ آیا، ایک ڈگری وہاں سے حاصل کی اور واپس جاتے وقت بولا: ''میں نے یہاں کے قیام کے دوران اپنے لئے ایک پینٹ یا قمیص بھی نہیں خریدی، میں جن کپڑوں میں آیا تھا، اسی میں واپس جا رہا ہوں۔'' حالانکہ وہ ڈی کیلب کی اسلامی سوسائٹی کی مالی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا اور اس کا سب سے بامقصد اور فعال رکن تھا۔ اور ان میں وہ گمنام مسلمان بھی ہے جس نے ڈی کیلب کی اسلامی سوسائٹی کی

مدد کے لئے ایک بڑی رقم ایک لفافے میں مسلم ہاؤس کے اندر ڈال دی اور لفافے پر لکھ دیا۔ ''مسلم ہاؤس کے لئے۔'' اور کسی کو یہ بتانا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہ کون ہے۔

یہ فہرست بہت طویل ہے۔ جنہیں میں جانتا ہوں، ابھی ان کی کہانی ہی مکمل نہیں ہوئی اور ایسے سیکڑوں ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ ان میں امریکی بھی ہیں اور غیر امریکی بھی، گورے بھی ہیں اور کالے بھی، مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، کم عمر نوجوان بھی ہیں اور عمر رسیدہ حضرات بھی۔ ان سب کی زندگی یقین، جدوجہد اور جرأت کی داستان سناتی ہے اور مسلمانان عالم کو عموماً اور داعیان اسلام کو خصوصاً احیائے اسلام کے لئے یہ پیغام دیتی ہے کہ حالات کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں، مایوسی ایک مومن کے لئے حرام ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُم الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن

(اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔ (آل عمران۔۱۳۹)

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل کی تیار کردہ دیگر کتابیں

(۱)اہل سنت والجماعت کے عقائد -مولانا اشرف علی تھانویؒ- ۱۶صفحات

(۲) کچھ تجربے کچھ مشورے -مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ- ۱۶صفحات

(۳)حضرت محمدؐ کی شادیاں: عورت پر عظیم احسان -ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط- ۲۴صفحات

(۴)حضرت محمدؐ کی جنگیں: کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط ۶۴صفحات

(۵)اسلام کا مزاج اور نمایاں خصوصیات -مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ- ۱۶صفحات

(۶)سرزمین امریکہ میں اسلام کے علَم بردار -ڈاکٹر شاہ عبادالرحمٰن نشاط- ۲۴صفحات

(۷)حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی تعلیمات (تزکیۂ نفس کے پس منظر میں)

ڈاکٹر شاہ عبادالرحمٰن نشاط- ۱۳۵صفحات

1- The Islamic Belief

2- Some Experiences Some Suggestions

3- Prophet Muhammad's ﷺ Multiple Marriages: (Benevolence to Womenkind)

4- Battles of Prophet Muhammad ﷺ

ABUL HASAN ALI NADWI STUDY CIRCLE

H-14, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: khalil84@gmail.com - Mob. +91 9818237391